ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2956

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: تاریخ فقہ (2956) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

یہ مشق تاریخ فقہ کے ابتدائی چار یونٹس پر مشتمل ہے۔ اس میں فقہ کے دو بڑے مکاتب، حنفی و مالکی، کے اصول استنباط کا مطالعہ مطلوب ہے، پھر فقہ کی بنیاد یعنی عہد نبوت میں اجتہاد اور صحابہ کرام کی فقہی تربیت کا جائزہ لیا گیا ہے، اس کے بعد فقہی اختلافات اور ان کے اسباب کی بحث ہے اور آخر میں کوفہ و بصرہ کے ان مفتیان کا تعارف ہے جنہوں

نے فقہ کی منتقلی و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ہر جواب تعارف، ذیلی عناوین کے تحت تفصیلی بحث، جدول اور اختتام پر مشتمل ہے تاکہ طالب علم موضوع کو ترتیب سے سمجھ کر اپنے الفاظ میں لکھ سکے۔ ذیل کی شکل میں فقہ کی منتقلی کا تاریخی تسلسل دکھایا گیا ہے۔

Figure 1: Transmission of fiqh — from the Prophetic era to the two schools



شکل 1: عہد نبوت سے مکاتب فقہ تک فقہ کی منتقلی کا تسلسل۔

سوال نمبر 1: فقہ حنفی کے اصولِ استنباط (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ فقہ حنفی کے اصول استنباط پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

فقہ حنفی اسلامی فقہ کے مشہور مدون مکاتب میں سب سے زیادہ پیروکار رکھنے والا مکتب ہے اور اس کی بنیاد امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (وفات 150 ہجری) نے کوفہ میں رکھی۔ استنباط سے مراد شرعی مآخذ سے کسی پیش آمدہ مسئلے کا حکم معلوم کرنے کا منضبط طریقہ کار ہے۔ ہر فقہی مکتب کی پہچان اس کے مسائل کی تعداد سے زیادہ اس کے اصول استنباط سے ہوتی ہے، کیونکہ یہی اصول بتاتے ہیں کہ مجتہد قرآن و سنت کی طرف کس ترتیب سے رجوع کرتا ہے، اختلاف کی صورت میں کس دلیل کو ترجیح دیتا ہے اور جہاں صریح نص موجود نہ ہو وہاں کس قاعدے سے حکم اخذ کرتا ہے۔ فقہ حنفی کے اصول استنباط کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک طویل علمی سلسلے کا حاصل ہیں: کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہی روایت، پھر حضرت علقمہ اور حضرت ابراہیم نخعی کی تدریس، پھر امام حماد بن ابی سلیمان کی درسگاہ اور اس کے بعد امام ابو حنیفہ کی مجلس شوریٰ، جہاں مسائل پر باقاعدہ بحث و تمحیص کے بعد فقہ کی تدوین ہوئی۔ اسی لیے فقہ حنفی کو محض ایک فرد کی رائے نہیں بلکہ ایک مکتب کی اجتماعی کاوش سمجھا جاتا ہے۔ اس

جواب میں فقہ حنفی کے بنیادی اور ثانوی مآخذ کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا اور ہر اصل کی مختصر تشریح مثال کے ساتھ پیش کی جائے گی، تاکہ طالب علم یہ سمجھ سکے کہ حنفی فقہاء نے اپنے مسائل کس منہج پر استوار کیے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ بحث خالص علمی اور تاریخی نوعیت کی ہے؛ کسی معاصر مسئلے میں قطعی شرعی رائے کا اختیار اہل علم اور مجتہدین کا ہے۔

پہلی اصل: کتاب اللہ (قرآن مجید)

فقہ حنفی میں سب سے پہلا اور قطعی ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن کی ہر نص قطعیِ ثبوت ہے، البتہ اس کے مفاہیم میں دلالت کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے: بعض آیات کا مفہوم قطعی ہوتا ہے اور بعض کا ظنی، اسی بنا پر احناف نے الفاظ کی دلالت کی درجہ بندی کی ہے، مثلاً خاص و عام، مطلق و مقید، حقیقت و مجاز، اور دلالت کے اعتبار سے عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص۔ اس درجہ بندی کا فائدہ یہ ہے کہ تعارض کی صورت میں حکم معلوم کرنے کا ایک باقاعدہ راستہ مل جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک قرآن کی عام آیت کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی ممکن ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عام کی دلالت ظنی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کی قراءات شاذہ کو اگرچہ قرآن نہیں مانا جاتا، تاہم بعض مقامات پر اسے خبر کے درجے میں رکھ کر اس سے استدلال کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فقہ حنفی میں کوئی بھی حکم قرآن کی صریح ہدایت کے خلاف قائم نہیں کیا جاتا اور ہر بحث کا آغاز کتاب اللہ سے ہوتا ہے۔

دوسری اصل: سنت نبوی

دوسرا ماخذ سنت ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات شامل ہیں۔ احناف نے سنت کی قبولیت میں احادیث کی درجہ بندی کو خاص اہمیت دی ہے: خبر متواتر سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور وہ قرآن کے درجے میں حجت ہے؛ خبر مشہور وہ ہے جو ابتدائی دور میں واحد تھی مگر بعد کے ادوار میں اسے قبول عام حاصل ہو گیا، اس سے بھی اطمینان بخش علم حاصل ہوتا ہے؛ اور خبر واحد ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے اور عملی احکام میں حجت ہے۔ خبر واحد کی قبولیت کے لیے احناف نے شرائط بھی مقرر کی ہیں، مثلاً راوی کا فقیہ ہونا بعض صورتوں میں ترجیح کا سبب بنتا ہے، راوی کی اپنی روایت کے خلاف عمل دلیل سمجھا جاتا ہے، اور اگر خبر واحد کسی ایسی عام پیش آمدہ صورت (عموم بلویٰ) کے بارے میں ہو جو مشہور ہونی چاہیے تھی مگر مشہور نہ ہو تو اس میں احتیاط برتی جاتی ہے۔ یہ شرائط حدیث کی نفی کے لیے نہیں بلکہ دلائل کے تعارض میں ترجیح

کے لیے ہیں، اور یہی نکتہ تاریخ فقہ میں حنفی منہج کی نمایاں پہچان ہے۔ احناف کے ہاں مرسل روایت بھی مخصوص شرائط کے ساتھ قبول کی جاتی ہے، کیونکہ تابعین کے دور میں ارسال ایک معروف علمی طریقہ تھا۔

تیسری اصل: اجماع

تیسرا ماخذ اجماع ہے، یعنی کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق کرنا۔ اجماع کی حجیت پر فقہ حنفی میں کوئی اختلاف نہیں؛ اجماع قطعی ہو تو اس کی مخالفت جائز نہیں اور اجماع ظنی ہو تو وہ بھی عملاً حجت ہے۔ احناف اجماع کی اقسام میں اجماع صریح اور اجماع سکوتی میں فرق کرتے ہیں: سکوتی اجماع، جس میں بعض مجتہدین رائے ظاہر کریں اور باقی خاموش رہیں، احناف کے نزدیک مخصوص مدت اور حالات کے ساتھ حجت ہو سکتا ہے۔ اجماع کا تاریخی کردار یہ رہا ہے کہ اس نے امت کے بنیادی احکام کو اختلاف سے محفوظ رکھا اور فقہ کی تدوین کے دور میں جن مسائل پر صحابہ یا تابعین کا اتفاق ثابت ہو گیا وہ بعد کی فقہ میں بنیاد بن گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اجماع قیاس کی مخالفت میں بھی حجت ہے اور جہاں اجماع ثابت ہو جائے وہاں اجتہادی اختلاف کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

چوتھی اصل: قیاس

چوتھا ماخذ قیاس ہے، یعنی کسی نئے مسئلے کو اس کے ہم معنی اصل مسئلے پر، مشترکہ علت کی بنا پر، قیاس کر کے حکم لگانا۔ کوفہ عراق کا مرکز تھا جہاں نئی تہذیب، تجارت اور مسائل کی کثرت تھی، اس لیے قیاس کی ضرورت وہاں سب سے زیادہ محسوس ہوئی اور فقہ حنفی میں قیاس کی باقاعدہ تشکیل و تدوین ہوئی۔ قیاس کے ارکان چار ہیں: اصل، فرع، علت اور حکم۔ احناف کے نزدیک علت کا ظاہر، منضبط اور مناسب ہونا ضروری ہے اور علت کی تخریج و تنقیح میں بڑی باریک بینی سے کام لیا جاتا ہے۔ تاہم یاد رہے کہ قیاس نص کے مقابلے میں نہیں لایا جاتا؛ جہاں کتاب و سنت یا اجماع سے حکم ثابت ہو وہاں قیاس کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ قیاس کی دو مشہور قسمیں قیاس جلی اور قیاس خفی ہیں اور قیاس خفی ہی آگے چل کر استحسان کی بعض صورتوں کی بنیاد بنتا ہے۔ اس علمی ضبط کی وجہ سے فقہ حنفی میں قیاس اندھا دھند رائے نہیں بلکہ قواعد کے تابع ایک منضبط اجتہادی ذریعہ ہے۔

پانچویں اصل: استحسان

فقہ حنفی کی سب سے منفرد اصل استحسان ہے۔ استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مضبوط تر دلیل، ضرورت، عرف یا دفع حرج کی بنا پر ظاہری قیاس کو چھوڑ کر اس کے خلاف حکم اختیار کیا جائے جو لوگوں کے لیے آسان اور مقاصد شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہو۔ استحسان کی معروف صورتیں یہ ہیں: نص کی بنا پر قیاس کو ترک کرنا، اجماع کی بنا پر ترک کرنا، ضرورت کی بنا پر ترک کرنا، عرف کی بنا پر ترک کرنا اور خفی قیاس کو جلی قیاس پر ترجیح دینا۔ مثلاً عام قاعدے کے تحت معدوم چیز کی بیع درست نہیں، مگر لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے استصناع یعنی آرڈر پر چیز بنوانے کے معاملے کو استحساناً جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح کنویں اور نالے کی تطہیر کے بعض مسائل عرف اور ضرورت کی بنا پر استحسان سے حل کیے گئے۔ تنقید کرنے والوں نے کبھی استحسان کو ذاتی پسند سے تعبیر کیا، مگر احناف کے اصولیین نے واضح کیا کہ استحسان دلیل سے دلیل کی طرف عدول کا نام ہے، خواہش کی پیروی کا نہیں۔ یہ اصل فقہ حنفی کو جمود سے بچا کر زندگی کے بدلتے حالات سے ہم آہنگ رکھنے کا ذریعہ بنی۔

دیگر ثانوی اصول: قول صحابی، شرع من قبلنا اور عرف

ان بنیادی اصولوں کے علاوہ فقہ حنفی میں چند ثانوی مآخذ بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ قول صحابی، خصوصاً ان صحابہ کا قول جو فقہ و فتویٰ میں مشہور تھے، احناف کے نزدیک قیاس پر مقدم ہے، کیونکہ صحابی کی رائے میں نص کی سماعت یا مشاہدے کا امکان قیاس سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ شرع من قبلنا، یعنی پچھلی شریعتوں کے وہ احکام جن کی تائید ہماری شریعت نے کی ہو یا ان کی نفی نہ کی ہو، بطور دلیل زیر بحث آتے ہیں۔ عرف و تعامل کو بھی فقہ حنفی میں خاص مقام حاصل ہے: جو چیز عرف میں معروف ہو وہ شرط کی طرح معتبر سمجھی جاتی ہے، بہت سے معاملات، مہر، نفقہ اور تجارتی امور میں عرف ہی فیصلہ کن ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ اسی طرح سد ذرائع اور استصحاب جیسے اصول بھی جزوی طور پر زیر استعمال آتے ہیں، اگرچہ ان کی وہ وسعت فقہ حنفی میں نہیں جو بعض دیگر مکاتب میں ہے۔ ان تمام اصولوں کا مجموعہ فقہ حنفی کے منہج کو متوازن بناتا ہے: نص کی پابندی بھی ہے اور زندگی کی ضروریات کا لحاظ بھی۔

جدول 1: فقہ حنفی کے اصول استنباط کا خلاصہ

درجہ و کیفیت	مفہوم	اصل
پہلا اور قطعی ماخذ	قرآن مجید کی نصوص، دلالت کی درجہ بندی کے ساتھ	کتاب اللہ
دوسرا ماخذ، شرائط قبولیت کے ساتھ	متواتر، مشہور اور خبر واحد کی درجہ بندی کے ساتھ	سنت
قطعی یا ظنی حجت	مجتہدین کا کسی حکم پر اتفاق	اجماع
نص کی عدم موجودگی میں	علت کی بنا پر فرع کو اصل سے ملانا	قیاس
حنفی منہج کی نمایاں خصوصیت	قوی تر دلیل سے ظاہری قیاس کو ترک کرنا	استحسان
ثانوی و ترجیحی مآخذ	صحابی کی رائے، سابقہ شریعت، عرف و تعامل	قول صحابی، عرف وغیرہ

اختتام

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہ حنفی کے اصول استنباط ایک مربوط نظام کی صورت رکھتے ہیں: آغاز کتاب اللہ سے ہوتا ہے، سنت اس کی شرح و تفصیل فراہم کرتی ہے، اجماع اتفاق کی قوت دیتا ہے، قیاس نئے مسائل کا دروازہ کھولتا ہے اور استحسان و عرف اس نظام کو انسانی ضرورت اور آسانی سے جوڑے رکھتے ہیں۔ اسی توازن کی وجہ سے یہ مکتب برصغیر، وسط ایشیا، ترکی اور عالم اسلام کے بڑے حصے میں صدیوں تک عدالتی و تدریسی فقہ کی حیثیت سے رائج رہا۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ کسی مکتب کے مسائل کو اس کے اصول سمجھے بغیر پرکھنا درست نہیں؛ اصول ہی وہ میزان ہیں جن پر کسی فقہی رائے کی علمی قدر متعین ہوتی ہے۔

سوال نمبر 2: فقہ مالکی کے اصولِ استنباط (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ فقہ مالکی کے اصول استنباط تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

فقہ مالکی کا مرکز مدینہ منورہ ہے اور اس کے بانی امام مالک بن انس (وفات 179 ہجری) ہیں، جنہیں امام دار الہجرہ کہا جاتا ہے۔ مدینہ وہ شہر ہے جہاں وحی نازل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی زندگی گزاری اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی ریاست کا مرکز رہا، اس لیے وہاں کی زندہ علمی و عملی روایت کو فقہ مالکی میں ایک امتیازی ماخذ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ فقہ مالکی کے اصول استنباط کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس میں نقل و روایت کو غیر معمولی وزن دیا گیا ہے اور اہل مدینہ کے عمل کو قیاس و رائے پر ترجیح دی گئی ہے۔ امام مالک کی کتاب الموطا حدیث و فقہ کا حسین امتزاج ہے اور المدونہ کے ذریعے مالکی فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی۔ اس جواب میں فقہ مالکی کے بنیادی مآخذ قرآن، سنت، عمل اہل مدینہ اور اجماع کے بعد قیاس، مصالح مرسلہ، سد ذرائع، استصحاب، قول صحابی اور عرف جیسے اصول کو ترتیب سے بیان کیا جائے گا، تاکہ طالب علم پر واضح ہو کہ مالکی منہج نے اپنی فقہ کس بنیاد پر قائم کی ہے اور اس کی انفرادیت دیگر مکاتب کے مقابلے میں کہاں نمایاں ہوتی ہے۔

کتاب اللہ اور سنت

فقہ مالکی میں بھی پہلا ماخذ کتاب اللہ اور دوسرا ماخذ سنت ہے اور اس میں کسی مکتب کا اختلاف نہیں۔ امام مالک حدیث کے بڑے امام تھے اور الموطا اس کی روشن دلیل ہے۔ البتہ مالکی منہج کی خصوصیت احادیث کی تطبیق اور ترجیح کے قواعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ امام مالک کے نزدیک متواتر اور مشہور سنت قطعی حجت ہے؛ خبر واحد بھی حجت ہے مگر اگر وہ اہل مدینہ کے متواتر عمل کے خلاف ہو تو عمل کو ترجیح ملتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ہزاروں اہل مدینہ کا مسلسل عمل ایک فرد کی روایت سے زیادہ مضبوط روایت عملی ہے۔ اسی طرح مراسیل کو امام مالک بڑی حد تک قبول کرتے ہیں، خصوصاً جب وہ مدینہ کے ثقہ تابعین سے منقول ہوں۔ قرآن کے فہم میں مالکی اصولیین بھی عام و خاص اور مطلق و مقید کی بحثیں کرتے ہیں اور ظاہر نص کو قوی دلیل سے ہی چھوڑتے ہیں۔ اس طرح فقہ مالکی میں کتاب و سنت کی بالادستی پوری طرح قائم رہتی ہے، البتہ ترجیح کے قواعد میں مدینہ کی روایت اپنا وزن رکھتی ہے۔

عمل اہل مدینہ: مالکی منہج کی امتیازی اصل

عمل اہل مدینہ سے مراد مدینہ کے اہل علم و عمل کا وہ متوارث تعامل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے نسل در نسل چلا آ رہا تھا، مثلاً اذان کا طریقہ، نماز کی عملی صورتیں، زکوٰۃ کے پیمانے اور معاملات کی معروف شکلیں۔ امام مالک کے نزدیک یہ عمل درحقیقت عملی تواتر کی ایک صورت ہے: جو کام پورا شہر نسلاً بعد نسل انجام دیتا چلا آیا ہو اس کے اصل نبوی ہونے کا یقین اکیلی سندی روایت سے بڑھ کر حاصل ہوتا ہے۔ اصولیین نے عمل کی اقسام بیان کی ہیں: وہ عمل جو تواتر سے ثابت ہو وہ قطعی ہے اور خبر واحد پر مقدم ہے؛ وہ عمل جو خبروں کی تائید سے ہو وہ خبر کی شرح کا کام دیتا ہے؛ اور وہ عمل جو اہل مدینہ کے ادوار کے اجتہاد سے پیدا ہوا وہ دوسرے اجتہاد کے مقابلے میں ایک رائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اصل پر دیگر مکاتب نے بحث کی ہے اور مالکی علماء نے اس کے جواب میں مفصل دلائل دیے ہیں۔ تاریخ فقہ کے طالب علم کے لیے یہ بحث اس لیے اہم ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ فقہ میں صرف مکتوب روایت ہی ماخذ نہیں ہوتی، زندہ اجتماعی تعامل بھی شریعت کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔

اجماع اور قیاس

اجماع کو فقہ مالکی میں بھی حجت تسلیم کیا گیا ہے اور بعض مالکی اصولیین نے اجماع اہل مدینہ کو خاص اہمیت دی ہے، کیونکہ مدینہ صحابہ کی بڑی جماعت کا مسکن رہا تھا۔ قیاس کو بھی امام مالک نے بطور اصل استعمال کیا ہے، چنانچہ مالکی فقہ میں قیاسی مسائل کی بڑی تعداد ملتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ قیاس کا دائرہ وہاں محدود ہو جاتا ہے جہاں عمل اہل مدینہ یا مصلحت کی واضح دلیل موجود ہو۔ قیاس میں علت کی مناسبت اور مصلحت سے ہم آہنگی کو مالکی اصولیین نے بہت نمایاں کیا، اور یہی رجحان آگے چل کر امام شاطبی کے مقاصد شریعت کے نظریے میں عروج کو پہنچا۔ امام شاطبی کی الموافقات مالکی مکتب کی وہ عظیم کتاب ہے جس نے ثابت کیا کہ شریعت کے احکام انسان کی بنیادی مصلحتوں، دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کے گرد گھومتے ہیں۔ اس لیے مالکی قیاس محض لفظی مشابہت نہیں بلکہ مقصد و مصلحت کی رعایت کے ساتھ انجام پاتا ہے۔

مصالح مرسلہ

فقہ مالکی کی دوسری بڑی ممتاز اصل مصالح مرسلہ ہے، یعنی وہ مصلحت جس کے اعتبار یا الغا پر کوئی خاص نص موجود نہ ہو مگر وہ مقاصد شریعت سے ہم آہنگ اور عقل سلیم کے مطابق ہو۔ ایسی مصلحت کی بنیاد پر حکم ثابت کرنا مالکی منہج کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کی کلاسیکی مثالیں خلافت راشدہ کے فیصلوں میں ملتی ہیں: قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنا، اجتماعی نظام کے لیے دیوان اور ڈاک کا انتظام، اور ضرورت کے وقت انتظامی سزاؤں کا تعین۔ مصالح مرسلہ کی حجیت کے لیے شرائط رکھی گئی ہیں: مصلحت حقیقی ہو، وہمی نہ ہو؛ عام ہو، کسی فرد خاص کی خواہش نہ ہو؛ مقاصد شریعت سے متصادم نہ ہو اور کسی نص قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ان شرائط کے ساتھ یہ اصل فقہ کو نئے پیش آمدہ انتظامی و سماجی مسائل میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ دیگر مکاتب میں بھی مصلحت کسی نہ کسی صورت زیر عمل آئی ہے، مگر بطور مستقل اصل اس کی تشکیل و تدوین کا سہرا مالکی اصولیین کے سر ہے۔

سد ذرائع، استصحاب اور دیگر اصول

سد ذرائع کا مطلب ہے ان جائز ذرائع کو روکنا جو غالب گمان کے ساتھ حرام نتیجے تک پہنچاتے ہوں۔ یہ اصل بھی فقہ مالکی میں بہت وسیع پیمانے پر استعمال ہوتی ہے، اسی لیے مالکی فقہ میں بہت سی صورتوں میں اصل اباحت کے باوجود کسی مباح عمل کو اس کے برے انجام کی وجہ سے روک دیا جاتا ہے۔ استصحاب، یعنی کسی ثابت شدہ حالت کا بقا کا حکم لگانا جب تک اس کے بدلنے کی دلیل نہ ملے، بھی مالکی اصولوں میں شامل ہے، مثلاً پاکی ثابت ہو تو شک سے ختم نہیں مانی جاتی۔ قول صحابی کو امام مالک حجت سمجھتے ہیں، خصوصاً جب اس کے خلاف کوئی مرفوع روایت نہ ہو۔ شرع من قبلنا اور عرف و عادت بھی مالکی فقہ میں معتبر ہیں؛ اندلس اور شمالی افریقہ میں مالکی فقہ کی اشاعت کے بعد وہاں کے مقامی عرف نے بہت سے معاملاتی مسائل کی تشکیل میں کردار ادا کیا۔ فتح ذرائع کا اصول بھی اسی کے مقابل میں ہے، یعنی نیکی تک پہنچانے والے ذرائع کو کھولنا۔ یہ اصول مل کر بتاتے ہیں کہ مالکی منہج انسان کے عمل کے انجام اور معاشرتی نتائج کو حکم کی تشکیل میں مرکزی اہمیت دیتا ہے۔

جدول 1: فقہ مالکی کے اصول استنباط کا خلاصہ

مالکی خصوصیت	مفہوم	اصل
سنت کی ترجیح میں عمل مدینہ کا لحاظ	قرآن اور احادیث نبوی	کتاب و سنت
خبر واحد پر ترجیح کی صورت	مدینہ کا متوارث عملی تعامل	عمل اہل مدینہ
اجماع اہل مدینہ کو خاص وزن	مجتہدین کا اتفاق	اجماع
مقصد و مصلحت سے ہم آہنگ	علت کی بنا پر حکم کی توسیع	قیاس
ممتاز و مفصل اصل	غیر منصوص مصلحت کی رعایت	مصالح مرسلہ
وسیع عملی استعمال	برے انجام کے ذرائع کی روک، حالہ کا	سد ذرائع و استصحاب

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ مالکی کے اصول استنباط نقل پر مبنی مضبوط بنیاد رکھتے ہیں، جن میں عمل اہل مدینہ، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع اس مکتب کی پہچان ہیں۔ اس منہج نے فقہ کو کتابی علم کے ساتھ ساتھ معاشرے کی زندہ مصلحتوں سے جوڑا اور مقاصد شریعت کی وہ فکری روایت پیدا کی جسے آج پورے عالم اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مالکی فقہ آج مراکش، الجزائر، تیونس، لیبیا اور مغربی افریقہ کے بڑے حصے میں رائج ہے۔ طالب علم کے لیے اس مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ مکاتب فقہ کا اختلاف اصولوں کی تنوع کا نتیجہ ہے، اور اس تنوع کے پیچھے ہر مکتب کے پاس اپنی علمی دلیل موجود ہے۔

سوال نمبر 3: عصرِ نبوت میں اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی فقہی تربیت (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ عصر نبوت میں اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی فقہی تربیت پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

عصر نبوت فقہ اسلامی کا دور تاسیس ہے۔ اس دور میں احکام کا اصل سرچشمہ وحی تھی: قرآن نازل ہو رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل سے اس کی عملی تفسیر پیش فرما رہے تھے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جب شارع خود موجود ہو تو اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی، مگر تاریخ فقہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی صحابہ کرام کو سوچنے، مسئلہ حل کرنے اور غائبانہ صورتوں میں رائے سے حکم معلوم کرنے کی تربیت دی، کیونکہ امت کو آپ کے بعد وحی کے بغیر انہی ماخذ سے رہنمائی لینی تھی۔ اس لیے عصر نبوت میں اجتہاد کی بحث درحقیقت فقہ کی تربیت گاہ کی بحث ہے: ایک طرف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی واقعات اور ان پر وحی کی تصحیح و تصدیق کا سلسلہ ہے اور دوسری طرف صحابہ کے اجتہادات، آپ کی تصویب اور ان کی منظم فقہی تربیت ہے۔ اس جواب میں پہلے اجتہاد کے مفہوم اور عہد نبوی میں اس کی صورتوں کو بیان کیا جائے گا، پھر صحابہ کی فقہی تربیت کے وسائل مثلاً مجالس نبوی، سوالات و جوابات، عملی مشاہدہ، اور دو اساتذہ کی روانگی اور قضا و افتا کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

عہد نبوی میں اجتہاد کا مفہوم اور صورتیں

اجتہاد لغت میں کسی مقصد کے حصول میں پوری کوشش صرف کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں شرعی دلیل سے حکم معلوم کرنے کے لیے مجتہد کی علمی کاوش کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ عہد نبوی میں اجتہاد کی تین بڑی صورتیں نظر آتی ہیں۔ پہلی صورت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہے: جن امور میں وحی خاموش ہوتی وہاں آپ اجتہاد فرماتے، جیسا کہ بعض انتظامی و جنگی معاملات میں مشاہدہ ملتا ہے، اور اگر وحی اس کے خلاف آ جاتی تو اس کی اصلاح کر دی جاتی، جس سے امت کو یہ اصول مل گیا کہ اجتہاد خطا سے خالی نہیں ہوتا اور نص ہمیشہ مقدم ہے۔ دوسری صورت صحابہ کا آپ کی موجودگی میں اجتہاد ہے، جس کی مشہور مثال غزوہ احزاب کے بعد بنو قریظہ کی طرف روانگی کے موقع پر عصر کی نماز کے بارے میں صحابہ کے دو گروہوں کا اختلاف ہے: بعض نے حکم کی ظاہری تعمیل میں نماز راستے میں پڑھی اور بعض نے مقصد کو سامنے رکھ کر منزل پر پہنچ کر پڑھی،

اور آپ نے دونوں میں سے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ فقہی اختلاف کی سب سے پہلی اور بنیادی مثال ہے۔ تیسری صورت غائب صحابہ کا اجتہاد ہے، یعنی وہ صحابہ جو آپ سے دور کسی علاقے میں ذمہ داری پر ہوتے اور پیش آمدہ مسئلے میں کتاب و سنت سے حکم اخذ کرتے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی مثال: اجتہاد کا منہج نامہ

اجتہاد کے منہج کی سب سے واضح صورت اس مکالمے میں ملتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے درمیان اس وقت ہوا جب آپ نے انہیں یمن کی طرف قاضی و معلم بنا کر بھیجا۔ اس موقع پر دریافت فرمایا گیا کہ جب کوئی معاملہ پیش آئے تو فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے۔ حضرت معاذ نے ترتیب بیان کی کہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کروں گا، اس میں نہ ملے تو سنت رسول کی طرف، اور وہاں بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس ترتیب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت و تصویب کا اظہار فرمایا۔ فقہ و اصول کی کتابوں میں یہ واقعہ صحابہ کی اجتہادی سند اور اس کے درجہ وار منہج کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے: یعنی پہلے قرآن، پھر سنت، پھر اجتہاد۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کتاب و سنت سے الگ کوئی آزاد رائے نہیں بلکہ انہی کی روشنی میں کیا جانے والا علمی عمل ہے، اور یہ کہ قاضی و مفتی کی تقرری سے پہلے اس کی علمی اہلیت جانچنا اور اسے منہج کی رہنمائی دینا نبوی اسوہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فقہی تربیت کے وسائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی فقہی تربیت کے لیے متعدد وسائل استعمال فرمائے۔ سب سے بڑا ذریعہ مجالس نبوی تھیں، جہاں احکام بیان ہوتے، سوالات کے جواب دیے جاتے اور غلط فہمیوں کی اصلاح ہوتی۔ دوسرا ذریعہ سوال و جواب کا سلسلہ تھا: دیہات سے آنے والے وفود اور عام صحابہ ایمانیات، عبادات اور معاملات کے بارے میں سوال کرتے اور آپ نہایت وضاحت سے جواب دیتے، بلکہ کبھی سوال کو وسیع تر علمی فائدے میں بدل دیتے۔ تیسرا ذریعہ عملی مشاہدہ تھا: صحابہ آپ کے وضو، نماز، حج اور معاملات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سیکھتے، اسی لیے فقہ میں آپ کے افعال کو حجت کی حیثیت ملی۔ چوتھا ذریعہ تحریر و کتابت تھی: بعض صحابہ احادیث لکھتے تھے، عمال کو تحریری ہدایات دی جاتی تھیں، مثلاً زکوٰۃ کے نصاب کی تحریریں، جنہوں نے بعد میں فقہ و حدیث کی تدوین کی بنیاد رکھی۔ پانچواں ذریعہ ذمہ داری سونپ کر تربیت کرنا تھا: صحابہ کو

قاضی، عامل، سپہ سالار اور معلم بنا کر بھیجا جاتا اور ان کے فیصلوں کی خبریں آتیں تو آپ تصویب یا اصلاح فرماتے۔ یہ تربیت بتدریج تھی: پہلے ایمان و اخلاق، پھر عبادات، پھر معاملات و حدود، بالکل اسی ترتیب سے جس ترتیب سے قرآن کے احکام نازل ہوئے۔

مفتی و فقیہ صحابہ کی جماعت کی تیاری

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ عہد نبوی کے اختتام تک صحابہ میں ایک ایسی جماعت تیار ہو چکی تھی جو فتویٰ و قضا کی اہل تھی۔ ان میں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نمایاں ہیں، جن سے بعد میں فقہ کی بڑی روایتیں چلیں۔ بعض صحابہ کو خاص علوم میں امتیاز حاصل ہوا: کسی کو فرائض میں، کسی کو حلال و حرام کی معرفت میں اور کسی کو قضا میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو مختلف خطوں میں بھیج کر علاقائی فقہی قیادت کا نظام بھی قائم فرماتے رہے: مکہ میں، مدینہ میں اور یمن میں معلمین مقرر ہوئے۔ اس نظام کا مقصد محض معلومات کی ترسیل نہیں تھا بلکہ فہم و استنباط کی صلاحیت پیدا کرنا تھا، چنانچہ بھیجے جانے والے صحابی کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جہاں کتاب و سنت کی صریح رہنمائی نہ ملے وہاں کس منہج سے فیصلہ کرنا ہے۔ یہی تیار شدہ جماعت بعد میں تابعین کی استاذ بنی اور فقہ کے مراکز کوفہ، بصرہ، مدینہ اور شام کی بنیاد اسی جماعت کے فیض سے پڑی۔

جدول 1: عہد نبوی میں فقہی تربیت کے وسائل

ذریعہ تربیت	مختصر وضاحت	بعد کا تاریخی اثر
مجالس و خطبات	احکام کی تعلیم اور اصلاح فہم	فقہ کی اجتماعی روایت کا آغاز
سوال و جواب	وفود و عام صحابہ کے سوالات کے جوابات	فتویٰ کی روایت کی بنیاد
عملی مشاہدہ	عبادات و معاملات کا آنکھوں دیکھا نمونہ	سنت فعلیہ کی حفاظت
تحریری ہدایات	عمال کو نصاب و احکام کی تحریریں	تدوین فقہ و حدیث کی تمہید

علاقائی فقہی مراکز کا قیام	صحابہ کو قاضی و معلم بنا کر بھیجنا	قضاوافتا کی ذمہ داری

اختتام

حاصل بحث یہ ہے کہ عہد نبوت میں اجتہاد ایک منظور و تصدیق شدہ عمل تھا جس کا منہج کتاب، سنت اور پھر رائے کے درجے سے متعین ہوا، اور صحابہ کرام کی فقہی تربیت محض حفظ معلومات سے نہیں بلکہ مشاہدے، سوال، عمل اور ذمہ داری سے مکمل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد امت کے پاس ایسے اہل علم موجود تھے جو نئے حالات میں بھی شریعت کی رہنمائی فراہم کر سکے۔ تاریخ فقہ کا یہ باب طالب علم کو بتاتا ہے کہ فقہ کی جڑیں عہد رسالت سے جڑی ہوئی ہیں اور اجتہاد دین سے باہر کی چیز نہیں، بلکہ دین ہی کی سکھائی ہوئی علمی ذمہ داری ہے۔

سوال نمبر 4: فقہی اختلافات اور ان کے اسباب (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ فقہی اختلافات اور ان کے اسباب تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

فقہی اختلافات سے مراد فروعی مسائل میں مجتہدین کی آراء کا اختلاف ہے، جو شریعت کے ظنی دلائل میں غور و فکر کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ اختلاف امت کی تاریخ میں ہمیشہ موجود رہا ہے: صحابہ کرام کے دور میں بھی تھا، تابعین کے دور میں وسیع ہوا اور مکاتب فقہ کی صورت میں مدون ہو گیا۔ اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے دو باتیں بنیادی ہیں۔ پہلی یہ کہ جن مسائل میں قرآن و سنت کی قطعی نص موجود ہے، مثلاً نماز و روزے کی اصل فرضیت، وہاں فقہاء کا اتفاق ہے اور اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری یہ کہ اختلاف عام طور پر انسانی فہم، زبان کے امکانات اور روایات کی ترسیل سے متعلق اسباب سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ شریعت سے انحراف سے۔ علما نے اس موضوع پر مستقل کتابیں

لکھی ہیں، مثلاً اسباب اختلاف کی بحث اصول فقہ اور تاریخ تشریع کا معروف باب ہے۔ اس جواب میں فقہی اختلافات کی نوعیت کے بعد ان کے اہم اسباب کو الگ الگ عنوانات کے تحت مثالوں کے ساتھ بیان کیا جائے گا اور آخر میں اس اختلاف کے تئیں درست رویے کی وضاحت کی جائے گی۔

پہلا سبب: نصوص کی زبان اور مفہوم کی وسعت

قرآنی و حدیثی الفاظ بعض اوقات ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتے ہیں۔ یہی احتمال اختلاف کی پہلی بڑی وجہ ہے۔ عربی زبان میں بعض الفاظ مشترک ہوتے ہیں، بعض عام ہوتے ہیں جن کی تخصیص میں اختلاف ہو سکتا ہے، بعض مطلق ہوتے ہیں جن کی تقیید میں اختلاف ہو سکتی ہے اور حقیقت و مجاز کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض احکام کی آیات میں قراءات کا اختلاف بھی فقہی اختلاف کا سبب بنا، جس کی معروف مثال وضو کی آیت میں ارجلکم کی قراءت سے جڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح کسی لفظ کے لغوی و عرفی معنی میں فرق بھی رائے بدل دیتا ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت زبان کی فطری وسعت کا نتیجہ ہے: شارع نے بعض احکام اجمالی انداز میں بیان کیے تاکہ مجتہدین ہر دور میں ان کی تطبیق کر سکیں۔ اس لیے لغوی اختلاف کو کسی مکتب کی کمزوری نہیں بلکہ نص کی دلالت کی نوعیت کا فطری نتیجہ سمجھنا چاہیے۔

دوسرا سبب: احادیث کی رسائی اور ترجیح میں اختلاف

احادیث کے باب میں کئی اسباب نے اختلاف پیدا کیا۔ ایک سبب یہ ہے کہ کوئی حدیث ایک فقیہ تک پہنچی اور دوسرے تک نہیں پہنچی، خصوصاً اس دور میں جب صحابہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے اور ہر شہر کی روایتی ذخیرہ الگ تھا۔ دوسرا سبب حدیث کے ثبوت اور درجے میں اختلاف ہے: سند کی صحت، راوی کی ضبط و عدالت اور متصل و مرسل کے مسائل میں محدثین و فقہاء کے معیارات کسی قدر مختلف رہے، اس لیے ایک کے نزدیک قابل عمل روایت دوسرے کے نزدیک ترجیح کے قابل نہ ٹھہری۔ تیسرا سبب دو متعارض روایات میں ترجیح کے اصولوں کا اختلاف ہے: کوئی نسخ کو مقدم کرتا ہے، کوئی تطبیق کو اور کوئی ظاہری ترجیح کے قرائن کو۔ چوتھا سبب روایت بالمعنیٰ ہے، جہاں الفاظ کی معمولی تبدیلی سے مفہوم کی صورت بدل سکتی ہے۔ یہ تمام اسباب علمی ہیں اور انہی پر اصول حدیث و اصول فقہ کی پوری عمارت قائم ہے۔

تیسرا سبب: اصول استنباط کا اختلاف

ہر مکتب نے ترجیح و استنباط کے اپنے اصول وضع کیے اور انہی اصولوں کے فرق نے فروعی اختلاف کو منظم شکل دی۔ مثلاً عمل اہل مدینہ کی حجیت میں مالکی موقف اپنی جگہ منفرد ہے، استحسان حنفی منہج کی پہچان ہے، مصالح مرسلہ کو مالکی و حنبلی فقہ میں وسعت ملی، خبر واحد کی شرائط میں احناف و محدثین کے معیار مختلف ہیں، اور مفہوم مخالف کی حجیت میں بھی اصولیین اختلاف کرتے ہیں۔ جب دو مجتہدین کے اصول الگ ہوں تو ایک ہی مسئلے میں ان کے نتائج کا الگ ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فروعی اختلاف کی جڑ اصولی اختلاف ہے۔ طالب علم کے لیے اس باب کا سبق یہ ہے کہ کسی مسئلے میں اختلاف دیکھ کر پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اختلاف کس اصول کی تطبیق کا نتیجہ ہے، اس سے بحث کا رخ نفرت سے ہٹ کر علمی تجزیے کی طرف ہو جاتا ہے۔

چوتھا سبب: علاقائی ماحول، عرف اور حالات کا فرق

فقہ انسانی زندگی کے مسائل کا حل ہے اور زندگی ہر علاقے میں یکساں نہیں ہوتی۔ کوفہ و بصرہ عراق کے تجارتی و شہری مراکز تھے جہاں نئے معاملاتی مسائل روز پیدا ہوتے تھے، جبکہ مدینہ کی زندگی نسبتاً سادہ اور نبوی عملی روایت سے مستقیم تھی۔ اس ماحولیاتی فرق نے فقہ کی مزاجی تشکیل میں واضح کردار ادا کیا: اہل عراق کے ہاں قیاس و رائے کی وسعت اور اہل حجاز کے ہاں روایت کی مرکزیت اسی کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے۔ عرف کا اختلاف بھی اسی قبیل سے ہے: جو معاملہ ایک معاشرے میں عرفاً معروف ہو اس کا حکم دوسرے معاشرے میں بدل سکتا ہے، مثلاً مہر، لباس اور تجارتی رواج کے مسائل۔ پھر حالات کا تبدل بھی حکم کی تطبیق بدل دیتا ہے: ضرورت و حاجت کے احکام عام حالت سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے دو علاقوں کے فقہاء کا اختلاف بسا اوقات ان کے سامنے موجود واقعات کے فرق کا نام ہوتا ہے، نہ کہ نصوص کی مخالفت کا۔

پانچواں سبب: قیاس، علت اور انسانی فہم کا فطری تفاوت

جہاں نص صریح موجود نہ ہو وہاں قیاس و اجتہاد کا عمل شروع ہوتا ہے اور وہاں انسانی فہم کا تفاوت سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ نئے مسئلے کی علت کیا ہے، وہ کس اصل سے زیادہ مشابہ ہے اور کون سی رعایت اقرب الی الصواب ہے، ان سوالات کے جواب میں دو اہل علم کا اختلاف فطری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب اسی تنوع کو عہد

نبوت ہی سے ثابت کرتی ہے، جیسا کہ بنو قریظہ کے واقعے میں دو مختلف تطبیقیں دونوں منظور ہوئیں۔ انسانی تفاوت میں ذہانت، تجربہ، استاذ کی روایت اور علمی ماحول سب شامل ہیں۔ بعد کے ادوار میں تقلید و تدوین کے بعد یہ اختلاف منضبط ہو گیا اور ہر مکتب کے اندر بھی ترجیحات کے قواعد بن گئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر اختلاف علمی نہیں ہوتا: بعض اوقات تعصب، کم علمی اور ہوائے نفس کی اختلاف کو نزاع میں بدل دیتے ہیں، جس کی مذمت تمام بڑے علماء نے کی ہے۔ اس لیے اختلاف فی نفسہ برا نہیں، اس کا غلط استعمال برا ہے۔

جدول 1: فقہی اختلافات کے اہم اسباب کا خلاصہ

نوعیت	وضاحت	سبب
نص کی دلالت سے متعلق	عام و خاص، حقیقت و مجاز، قراءات کا فرق	لفظی و لغوی احتمال
نقل و ثبوت سے متعلق	حدیث کا کسی فقیہ تک نہ پہنچنا یا درجے کا اختلاف	روایات کی رسائی
اصولی نوعیت	نسخ، تطبیق اور تعارض کے حل میں اختلاف	ترجیح کے اصول
مکتبی نوعیت	عمل مدینہ، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ	منہج استنباط
واقعاتی نوعیت	علاقائی حالات اور رواج کا فرق	ماحول و عرف
اجتہادی نوعیت	علت کی تعیین میں انسانی تفاوت	قیاس و فہم

اختتام

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہی اختلافات کے اسباب زیادہ تر علمی و واقعاتی ہیں: زبان کی وسعت، روایات کی ترسیل، ترجیح کے اصول، ماحول و عرف اور قیاسی فہم کا تفاوت۔ ان اسباب کو سمجھ لینے سے اختلاف رحمت و وسعت کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور فقہی روایت کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ بڑے ائمہ کا اپنا اختلاف بھی ادب و احترام کے ساتھ تھا اور وہ

ایک دوسرے کی نیت و علم کے معترف تھے۔ آج کے طالب علم کے لیے درست رویہ یہ ہے کہ اختلاف کو علم سے سمجھے، کسی مکتب کی تحقیر سے بچے، اور کسی معاصر مسئلے میں حتمی رہنمائی کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کرے۔

سوال نمبر 5: مفتیانِ کوفہ وبصرہ اور ان کی فقہی خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ مفتیان کوفہ وبصرہ کا تعارف اور ان کی فقہی خدمات بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

کوفہ وبصرہ عراق کے وہ دو عظیم شہر ہیں جو پہلی صدی ہجری میں فوجی چھاؤنیوں سے بڑھ کر علم و فقہ کے عالمی مراکز بن گئے۔ خلافت راشدہ کے دور میں یہ شہر آباد ہوئے اور صحابہ کرام کی بڑی تعداد یہاں مقیم ہوئی، جنہوں نے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم کا نظام قائم کیا۔ کوفہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی درسگاہ سے وہ مقام حاصل ہوا کہ وہ رائے و قیاس کی فقہ کا سرچشمہ بنا، جبکہ بصرہ میں حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس کے فیض یافتگان اور کبار تابعین کی مجالس نے حدیث و فقہ دونوں کی خدمت کی۔ مفتیان سے مراد اس دور کے وہ ممتاز صحابہ و تابعین ہیں جن کی طرف لوگ مسائل میں رجوع کرتے تھے اور جن کے فتاویٰ و اقوال بعد کی فقہ کی بنیاد بنے۔ اس جواب میں پہلے کوفہ کے مفتیان اور ان کے علمی سلسلے کا تعارف پیش کیا جائے گا، پھر بصرہ کے مفتیان کا، اس کے بعد دونوں شہروں کی مجموعی فقہی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس مطالعے سے واضح ہو گا کہ حنفی فقہ کی کوفی جڑیں اور بصری علمی روایت دونوں درحقیقت صحابہ ہی کے فیض کا تسلسل ہیں۔

کوفہ کے مفتیان: صحابہ کا دور

کوفہ کی فقہی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے، جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا معلم و قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ ابن مسعود قرآن کے بڑے عالم، نبوی صحبت کے حامل اور فہم فقہ میں ممتاز تھے؛ کوفہ کے لوگوں نے قرآن و فقہ انہی سے سیکھا۔ اہل کوفہ کے لیے یہ اعلان تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ ان کی علمی تربیت براہ

راست ایک جلیل القدر صحابی کے ہاتھوں ہوئی۔ کچھ عرصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ کو دار الخلافہ بنایا، جس سے قضا و فتویٰ کی روایت کو مزید تقویت ملی اور صحابہ کی ایک جماعت وہاں مستقل مقیم ہو گئی۔ ابن مسعود کے براہ راست تلامذہ میں اسود بن یزید، علقمہ بن قیس اور مسروق بن اجدع جیسے کبار تابعین شامل ہیں، جنہوں نے اپنے استاذ کی فقہ کو اگلی نسل تک منتقل کیا۔ اس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ فتویٰ محض معلومات کی بنیاد پر نہیں بلکہ صحابی کے فہم و مشاہدے کی روشنی میں دیا جاتا تھا، اور کوفہ کے مفتیان میں یہ نبوی فہم ورثے کی طرح چلتا رہا۔

کوفہ کے مفتیان: تابعین اور فقہ کی تدوین کی طرف سفر

تابعین کے دور میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ و مفتی حضرت ابراہیم نخعی (وفات 96 ہجری) ہیں۔ انہوں نے علقمہ و اسود کے واسطے سے ابن مسعود کی فقہ حاصل کی اور اسے منظم درس کی صورت دی۔ ابراہیم نخعی کے فتاویٰ اور ان کی قیاسی بصیرت کو فقہ حنفی کی بنیادوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے شاگرد امام حماد بن ابی سلیمان نے کوفہ میں فقہ کا وہ حلقہ قائم کیا جہاں مسائل پر منظم بحث ہوتی تھی، اور انہی کے شاگرد امام ابو حنیفہ نے اس روایت کو تدوین و اصول کی شکل دی۔ اس تسلسل کو فقہ کی تاریخ میں کوفی سلسلہ کہا جاتا ہے: ابن مسعود، علقمہ، ابراہیم نخعی، حماد اور ابو حنیفہ۔ اس کے علاوہ کوفہ میں حضرت عامر شعبی بھی اپنے دور کے بڑے عالم و مفتی تھے، جن کی وسعت علمی اور قضا کی خدمات مشہور ہیں، اور امام سفیان ثوری کا تعلق بھی کوفہ ہی سے تھا جن کی فقہ کا ذکر اگلی مشق میں آئے گا۔ کوفہ کی مجالس میں مسئلے کو فرضی صورتوں تک لے جا کر حل کرنے کی مشق ہوتی تھی، جسے بعد میں فقہ تقدیری کہا گیا، اور اسی مشق نے عراقی فقہ کو وسعت و گہرائی عطا کی۔

بصرہ کے مفتیان کا تعارف

بصرہ کی فقہی روایت کا آغاز بھی صحابہ سے ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ طویل عرصہ بصرہ میں مقیم رہے اور ان کی خدمت و روایت سے بصرہ کے اہل علم نے بڑا فیض اٹھایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی بصرہ میں قیام و تدریس فرمائی اور تفسیر و فقہ کے طلبہ کو فیض پہنچایا۔ تابعین کے دور میں بصرہ کے ممتاز مفتیان میں سب سے نمایاں نام حضرت حسن بصری (وفات 110 ہجری) کا ہے، جن کی مجلس علم، زہد اور وعظ کا مرکز تھی اور جن کے فتاویٰ و اقوال بعد کی کتابوں میں بکثرت نقل

ہوئے۔ ان کے ساتھ محمد بن سیرین بھی بصرہ کے بڑے فقیہ و مفتی تھے جو حدیث کی روایت و تفسیر الرؤیا کے ساتھ ساتھ فقہی احتیاط میں مشہور تھے۔ قتادہ بن دعامہ بصرہ کے بڑے محدث و مفسر و فقیہ تھے جن سے تفسیر و فقہ کی روایات بڑے پیمانے پر مروی ہیں۔ ان کے علاوہ بصرہ میں علم حدیث کی وہ مضبوط روایت پروان چڑھی جس نے بعد میں شعبہ بن حجاج اور ائمہ حدیث کو جنم دیا۔ بصرہ کا مزاج کوفہ کے مقابلے میں حدیث و اثر کی طرف زیادہ مائل سمجھا جاتا ہے، اگرچہ یہاں بھی فقہی بصیرت کی کمی نہیں تھی۔

کوفہ و بصرہ کی مجموعی فقہی خدمات

دونوں شہروں کی فقہی خدمات کو چند نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ پہلی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کی فقہ کو محفوظ و منتقل کیا: کوفہ نے ابن مسعود کی روایت کو اور بصرہ نے انس و ابن عباس کے فیض کو اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ دوسری خدمت فقہی تربیت کا نظام ہے: حلقہ ہائے درس، فتویٰ کی مجالس اور قاضیوں کی تیاری نے ایک ایسا ادارتی ڈھانچہ بنایا جس پر بعد کی مدارس و جامعات کی بنیاد پڑی۔ تیسری خدمت نئے مسائل کا حل ہے: عراق فارس و وسط ایشیا کے دروازے پر واقع تھا، تجارت، زراعت اور شہری زندگی کے پیچیدہ مسائل سب سے پہلے یہیں پیش آئے اور یہیں ان کا فقہی حل تلاش کیا گیا۔ چوتھی خدمت اگلے ادوار کی قیادت ہے: کوفہ کی حنفی مکتب کو، بصرہ نے حدیث و زبان کے بڑے ائمہ کو جنم دیا اور بغداد کے قیام کے بعد دونوں شہروں کا فیض عباسی دارالخلافہ کی علمی زندگی میں منتقل ہو گیا۔ پانچویں خدمت فقہی ادب کی تشکیل ہے: اختلاف میں علمی شائستگی اور دلیل کی بنیاد پر بحث کی روایت ان مراکز نے مضبوط کی، جس کے بغیر فقہ کی تدوین ممکن نہ تھی۔

جدول 1: مفتیانِ کوفہ و بصرہ — ایک نظر میں

نمایاں فقہی خدمت	دور	شہر / شخصیت
کوفہ کی فقہی درسگاہ کی بنیاد	صحابی	کوفہ: عبداللہ بن مسعودؓ
ابن مسعود کی فقہ کی منتقلی	تابعی	کوفہ: علقمہ، اسود، مسروق
قیاسی فقہ کی تشکیل، فتاویٰ	تابعی (وفات 96ھ)	کوفہ: ابراہیم نخعی

منظم فقہی حلقہ، ابو حنیفہ کے استاذ	تابعی / تبع تابعی	کوفہ: حماد بن ابی سلیمان
بصرہ میں نبوی روایت کا مرکز	صحابی	بصرہ: انس بن مالکؓ
فقہ، زہد و وعظ کی جامع مجلس	تابعی (وفات 110ھ)	بصرہ: حسن بصری
حدیث و فقہ میں احتیاط و روایت	تابعی	بصرہ: ابن سیرین و قتادہ

اختتام

حاصل کلام یہ ہے کہ مفتیانِ کوفہ و بصرہ نے فقہ اسلامی کو صحابہ کے دور سے اٹھا کر تدوین کے دور تک پہنچانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ کوفہ نے رائے و قیاس کی منضبط روایت دی اور بصرہ نے حدیث و اثر کی مضبوط روایت، اور دونوں کے امتزاج سے فقہ کا وہ سرمایہ تیار ہوا جس پر تمام مکاتب نے اپنی عمارت کھڑی کی۔ ان ہستیوں کا مطالعہ طالب علم کو سکھاتا ہے کہ فقہ کتابوں سے پہلے شخصیات کی محنت، مجالس کی برکت اور نسل در نسل منتقلی سے بنتی ہے۔